ایمان افروز اور سبق آموز کہانیوں کا سلسلہ

آستین کے سانپ

کہانی نمبر 9

تھالی کے ڈھکن

عزام محسن

اساس انسٹیٹیوٹ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام مجموعہ:	آستین کے سانپ
نام کہانی:	تھالی کے ڈھکن
مصنف:	عزام محسن
تعداد:	ایک ہزار
تاریخ:	جنوری2024
زیر انتظام:	اساس انسٹیٹیوٹ
پبلشر:	اردو سرائے
رابطہ نمبر:	محمد عبداللہ 0334-9363518

دل کی بات

قدرت نے انسان کے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ایک حق اور دوسرا باطل...ایک سچ اور دوسرا جھوٹ...ایک صحیح اور دوسرا غلط...اس وقت دنیا میں جتنی بھی نظریاتی محنت ہو رہی ہے ،اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو حق اور سچ کا دعویدار کہتے ہوئے دوسرے کو غلط اور جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔

خالقِ کائنات نے اپنی کتاب ،قرآن مجید فرقانِ حمید میں حق اور باطل کی نشانیاں واضح کی ہیں۔ حق والوں کا راستہ بھی بتایا ہے اور باطل کی ریشہ دوانیوں سے بھی پردہ چاک کیا ہے۔ باطل نے حق کا راستہ روکنے کے لیے کبھی علی الاعلان اُسے للکارا ہے اور کبھی حق کا جعلی روپ دھار کر بہروپیے کی شکل اختیار کی اور حق والوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔اس ساری محنت کے پیچھے نسلِ آدم کا ازلی دشمن ابلیس ہی ہے۔

ابلیس جب سے راندۂ درگاہ ہوا،تب سے ہی انسان کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ایسی صورتِ حال میں انسان کے لیے درست راستے کا انتخاب ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ دراصل خاتم النبیین ہیں۔ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی اپنی نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا ، مگر قدرت کے اس فیصلے سے بغاوت کرنے والے کئی شیطان کے ہر کارے میدان میں آئے ،اپنا اپنا منجن بیچا، عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔انہیں میں ایک نام مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے جس نے خود کو یسوع مسیح کہتے ہوئے نبوت جیسے عظیم مرتبے کی توہین کی۔

مرزے کی سوچ دراصل ہندوستان میں انگریز سرکار کی طے شدہ پالیسی کا تسلسل تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد مرزے کے بدبخت پیروکاروں نے اس نئے اسلامی ملک میں اپنے پنجے گاڑنے

شروع کر دیے۔ مگر فدایانِ ختم نبوت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت حکومتِ پاکستان کو انھیں غیر مسلم اور کافر قرار دینا پڑا اور اب ان کا کفر آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔ مگر اس کے باوجود قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف ہیں۔ اسی سلسلے میں ادارہ ''اساس'' نے بھرپور انداز میں جواب دیتے ہوئے اہلِ اسلام کو ان کی چالوں سے خبر دار کیا ہے۔

قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اتارتے ایسے واقعات، ایسی کہانیاں جو روز کہیں نہ کہیں وقوع پذیر ہوتی ہیں، ادارہ اساس نے انھیں جمع کر کے نئے اسلوب کے ساتھ ''آستین کے سانپ'' کا عنوان دیا ہے۔ یہ کہانیاں مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ انھیں خود بھی پڑھیے اور دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے میں ہمارے معاون بھی بنیے۔

اساس انسٹیٹیوٹ

تھالی کے ڈھکن

عنوان دیکھ کر آپ چونک گئے ہوں گے کہ تھالی کے بینگن والا محاورہ تو سنا تھا، پر تھالی کے ڈھکن کیا بلا ہے ؟آیئے آپ کو ان ڈھکنوں کا تعارف کرواتے ہیں۔ دراصل تھالی کے یہ بینگن... میرا مطلب ڈھکن دو سگے بھائی تھے۔ شکل و صورت انھیں اللہ نے عام انسانوں جیسی عطاء کی تھی مگر اُن کے کردار کی کالک نے رفتہ رفتہ انھیں بینگن جیسا بنادیا تھا۔ صرف یہی نہیں، دونوں کی حرکتوں اور خرمستیوں سے محسوس ہوتا تھا کہ ان کے ہاں عقل والا خانہ خالی ہی ہے۔ شاید اسی لیے لوگوں میں دونوں بھائی ''ڈھکن'' کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔

دونوں میں تفرق کے لیے لوگ انھیں چھوٹا ڈھکن اور بڑا ڈھکن کہہ کر مخاطب کر لیا کرتے تھے۔ پہلے پہل تو ہمیں اُن کے ساتھ لوگوں کا یہ رویہ بالکل بھی اچھا نہ لگا، مگر جب اصل بات معلوم ہوئی تو ہم مسکرا کر رہ گئے۔ کیوں کہ وہ اپنے مرشد کے بے حد دیوانے تھے اور خیر سے اُن کا ''مرشد'' بھی انہی کی طرح ڈھکن ہی تھا۔ آغاز میں وہ محض چینی کے برتن خصوصاً چینی کی تھالیاں بیچتے تھے۔ شاید اس لیے بھی یہ تھالی کے ڈھکن تھے۔

رفتہ رفتہ انھوں نے کچن میں استعمال ہونے والی تمام مشنری، جوسر، چوپر اور بلینڈر وغیرہ کی

سیل بھی شروع کردی۔ یوں چھوٹی آیٹمز کے ساتھ ساتھ وہ الیکٹرونکس کی بڑی مصنوعات کی ڈیلر شپ لینے میں بھی کامیاب ہوگئے۔

لوگ جب انھیں چھوٹا ڈھکن یا بڑا ڈھکن کہہ کر بلاتے توآگے سے شرمندہ ہونے یا غصہ کرنے کے بجائے وہ کھسیانی ہنسی ہنسنے لگتے۔ بقول ہمارے ایک دوست کے، بوتل کے ڈھکن کا تو کوئی نہ کوئی فائدہ ہوتا ہے، مگر یہ دونوں ڈھکن انتہائی بے مروت، بے فائدہ اور بلاکے بے وقوف بھی واقع ہوئے تھے۔

امر واقعہ یہ کہ ہمارا ان ڈھکنوں سے ایک بار واسطہ پڑ گیا۔ یہ ان دنوں کی بات کہ جب ہم نئے نئے ایک ملٹی نیشنل الیکٹرونکس کمپنی میں بطور سروس انچارج بھرتی ہوئے تھے۔ سال غالباً 2010ء کا تھا۔ کمپنی کی جانب سے ہماری ابتدائی تربیت کا اہتمام کیا گیا، بعدازاں ہمیں ضلع کی مقامی مارکیٹ کا دورہ کروایا گیا اور کمپنی سے منسلک تمام ڈیلرز صاحبان سے ایک ایک کرکے ہماری ملاقات کروائی گئی۔

کمپنی کی طرف سے تمام ڈیلرز اور ڈسٹری بیوٹرز کو مطلع کر دیا گیا کہ آئندہ کمپنی کی وارنٹی پالیسی کے مطابق خراب مصنوعات کے لیے ہمارے سروس سنٹر پر شعبہ کے انچارج محسن صاحب سے رابطہ کیجیے۔ یوں ہماری نوکری کا آغاز ہو گیا۔

ہم تمام ڈیلرز کی خراب چیزیں وقتِ مقررہ پر اپنے کاریگروں سے مرمت کروا کر دینے لگے۔ کوشش یہی ہوتی کہ کام تسلی بخش اور معیاری ہو۔ چند ہی ہفتوں میں تمام ڈیلرز ہماری سروسز سے نا صرف مطمئن بلکہ بے حد خوش دکھائی دینے لگے، مگر ایک احمد مبشر الیکٹرونکس وہ واحد دکان تھی جن کے مالکان تسلی بخش کام ہونے کے باوجود ہمیشہ معترض رہتے اور یہ مالکان وہی سٹریل سی جوڑی یعنی تھالی کے ڈھکن تھے۔

ایک مہینہ گزرا... ہر ڈیلر کی طرف سے ہماری سروس کی رپورٹ بہترین بنائی گئی تھی۔ مگر ان ڈھکن برادران نے سو فیصد کام وقت پر ہونے کے باوجود رپورٹ پر اپنے دستخط کرکے لکھ دیا: ”کام تسلی بخش نہ ہے، بہت زیادہ بہتری کی گنجائش ہے۔“

یہ جملہ پڑھ کر ہمیں بہت حیرت ہوئی، مرتے کیا نہ کرتے، وہی رپورٹ ہمیں کراچی ہیڈ آفس بھجوانا پڑی۔ اس غضب ناک بے عزتی پر ہم محض پانی کے گھونٹ پی کر رہ گئے۔ خدا خدا کر کے دوسرا مہینہ بھی گزر گیا۔ اس بار ہم نے پہلے سے بھی زیادہ ''احمد مبشر الیکٹرونکس'' کا خیال رکھا۔ اُن کی ہر خراب چیز وقت سے بھی پہلے تیار ہوتی، اور نا صرف تیار ہوتی بلکہ انھیں سروس سنٹر آنے کی بھی زحمت نہ دی جاتی، ہمارا لڑکا خود ان کی دکان پر وہ چیز پکڑا کر آتا جس پر وہ منحوس سی ہنسی کے ساتھ شکریہ ادا کر دیتے۔

اس بار ہمیں امید تھی کہ ہماری ماہانہ رپورٹ بہت اچھی جائے گی، مگر ٹیڑھی دم بھلا کہاں سیدھی ہوتی ہے؟ اس بار بھی ان دونوں بھائیوں نے ہماری ماہانہ رپورٹ پر زہر اُگل دیا تھا۔ مارے غصے سے ہمارا برا حال تھا۔ ہم سوچ سوچ کر تھک گئے کہ آخر کیا ماجرا ہے؟ اسی کشمکش میں ہم نے چھوٹے ڈھکن کو فون لگایا اور اپنی غلطی کے بارے میں دریافت کیا۔ جواب میں اس نے کھی کھی کھی کر کے بتایا کہ کچھ بھی نہیں، بس ہماری تسلی ذرا جلدی نہیں ہوتی۔

ہم نے پوچھا کہ تسلی کیسے ہو گی؟ جواب دینے کے بجائے وہ زور سے ہنسا اور بولا: ''یاری لگائو اور مزے اُڑائو''

اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے ہم نے سابق سروس انچارج سے رابطہ کیا اور انھیں ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ اس وہ ہنس دیے۔

''ارے... ! ان لوگوں کی فکر مت کرو، وہ عادت سے مجبور ہیں۔ ہر مہینے ڈنگ مارتے رہیں گے۔ چاہے جتنی مرضی بہترین سروس دے لو۔''

سابق انچارج عامر صاحب نے بتایا تو مجھے کچھ تسلی ہوئی۔ مزید انھوں نے بتایا کہ ہیڈ آفس کا جونئیر سٹاف اِن دونوں بھائیوں کی حرکتوں سے آگاہ ہے۔ اس لیے ان ڈھکنوں کی رپورٹ سے ہمیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔

ہمیں اب حقیقتِ حال کا علم ہو چکا تھا۔ چناں چہ تیسرے مہینے بھی رپورٹ پر ہمیں اُن کی وہی مستقل مزاجی دکھائی دی، تو ہم مسکرا کر رہ گئے۔ یوں رفتہ رفتہ ہمارا خوف ختم ہوتا گیا۔ ہم نے ان کی

رائے کو اہمیت دینا چھوڑ دی، بلکہ ان کی خاص آؤ بھگت کے بجائے انھیں ان کی اوقات کے مطابق ڈیل کرنا شروع کر دیا۔ اس پر وہ اور بھی تلملائے، اگلے ماہ انھوں نے رپورٹ پر ہمارے بارے میں پہلے سے بھی زیادہ الم غلم لکھ دیا، جسے پڑھ کر ہم محفوظ ہوتے رہے۔

البتہ دونوں بھائیوں کی حالت دیکھنے والی تھی۔ سابق سروس انچارج نے یہ بھی بتایا کہ اُن سے پہلے جو انچارج تھے انھوں نے ڈر کے مارے ان دونوں بھائیوں سے دوستی کر لی تھی۔ وہ ان کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، ایک ساتھ کھاتے پیتے رہے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ ان بھائیوں کے ناجائز کام بھی مفت میں کر دیتے۔ اسی لیے انھوں نے اس کے بارے میں ہر بار ''سروس بہترین ہے'' کی رپورٹ پیش کی تھی۔

اب ہم ساری بات سمجھ چکے تھے، یعنی یہ دونوں بھائی ہمیں بھی اپنے ناجائز کاموں کے لیے اپنا دوست بنانا چاہتے تھے۔ چناں چہ ہم نے عامر صاحب کا شکریہ ادا کیا اور ان دونوں ڈھکنوں سے خاص احتیاط کرنے لگے۔ اس پر وہ ہمیں فون یا میسج کر کے غصہ کرتے اور کہتے:

''سرکار... ! بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی؟ ایک نہ ایک دن تو چھری کے نیچے آئے گی۔''

اس پر ہم محض مسکرا کر رہ جاتے۔

ایک دن ہمیں اطلاع ملی کہ ہماری میں برانچ میں کمپنی کے مالکان اور سینئر افسران تشریف لا رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی ہر طرف تھرتھرلی مچ گئی۔ مالکان نے ہمارے برانچ مینیجر کو شہر میں ڈیلرز کے لیے ایک عدد تقریب کا اہتمام کرنے کا کہا۔ ایسی تقریب دو تین سال بعد منعقد ہوتی تھی۔

لیجیے جناب... ! اس تقریب کا اعلان سن کر چھوٹے ڈھکن اور بڑے ڈھکن کی تو گویا لاٹری ہی نکل آئی۔ یہ لوگ سال بھر میں کمپنی کا کروڑوں کا مال بیچتے تھے۔ سو کمپنی بھی ایسے لوگوں کے نخرے برداشت کرتی ہے۔ اسی بات کو مد نظر رکھتے ہوئے احمد مبشر الیکٹرونکس والے دونوں بھائیوں نے فون کر کر کے ہمیں چِڑانا شروع کر دیا۔ ہمیں علم تھا کہ اب یہ دونوں کم بخت کمپنی کے مالکان اور بڑے افسروں سے ہماری شکایت کریں گے۔

’’اب تمھیں نوکری سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔‘‘ ایک دن بڑے ڈھکن نے فون پر ہمیں دھمکی لگائی۔

’’اللہ خیر کرے گا جناب...!‘‘

ہم نے بغیر غصہ کیے جواب دیا۔ البتہ دل میں کچھ ڈر بھی تھا کہ یہ واقعی مالکان کو جھوٹ موٹ کچھ بھی بتا کر ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس دوران ایک بار پھر ان میں سے ایک بھائی نے ’’دوستی‘‘ کی پیش کش کی، تب ہمارے نزدیک ان کی دوستی کا مطلب صرف اپنے ناجائز کام مفت کروانا ہی تھا۔ مگر حقیقت تو ہمیں کئی ماہ بعد معلوم ہوئی تھی۔ البتہ شروع میں ہم ان کی اصلیت سے ناواقف تھے۔ اسی انجانے میں ہم نے ان سے ناجائز کاموں کے لیے دوستی سے منع کر دیا۔ اس پر دونوں بھائی بہت تلملائے اور ہمیں ذلیل کروانے یا نوکری سے نکلوانے کی دھمکیاں دینے لگے،

خیر... ہم نے کون سا کوئی غلط کام کیا تھا۔ اسی لیے ہم قدرے مطمئن تھے، مگر دوستوں کا خیال تھا کہ ہمیں ان ڈھکنوں سے دوستی یاری لگا کر رکھنا چاہیے تھی، لیکن ہم اصولوں پر قائم رہے۔ کسی بھی آدمی کا ناجائز کام کرنے سے انکار کر دیا۔

خدا خدا کر کے مقررہ دن آن پہنچا۔ تقریب اپنے عروج پر تھی، ایسے میں کمپئیر نے مائک میں احمد مبشر الیکٹرونکس کا نام پکارا تو چھوٹا ڈھکن اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے لیے تیز تیز اسٹیج پر آن پہنچا، مگر عادت سے مجبور اس نے چھوٹتے ہی خیالات کے بجائے زہر اُگلنا شروع کر دیا۔

ہماری پوری برانچ کی شکایتیں لگانے میں موصوف نے کسی قسم کی کسر نہیں چھوڑی۔ ہمارے برانچ مینیجر ایک طرف کھڑے دانت پیس رہے تھے۔ وہ اس ساری صورتِ حال کی ذمہ داری سروس سینٹر پر ڈال رہے تھے۔

خیر، تقریب کا اختتام ہوا تو کمپنی کے سینئر افسران جلدی سے ہمارے برانچ مینیجر کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دبے لفظوں میں مینیجر کی سرزنش شروع کی۔ دوسری طرف ڈھکن برادرز بے شرمی کے ساتھ ایک طرف کھڑے بریانی اور مٹن قورمہ سے دو دو ہاتھ کر رہے تھے۔ اس سے

پہلے کہ مالکان اور سینئر افسران سے ہمارے مینیجر کو مزید ڈانٹ پڑتی، اچانک اُن کی زبان سے نکلا:

"سر! وہ اپنی عادت سے مجبور ہیں، آخر چوہڑے جو ہوئے۔" مینیجر کی اس پر ایک بڑے افسر تپ گئے۔

"شٹ اپ... !آپ کو شرم آنی چاہیے۔اپنی غلطی ماننے کے بجائے دوسروں کی ذاتیات پر گھٹیا حملے کر رہے ہو۔"

"سر! گھٹیا تو یہ دونوں بھائی خود ہیں، بلکہ چوہڑوں سے بھی بڑھ کر..."

برانچ مینیجر شاید اپنی بے عزتی کچھ زیادہ ہی محسوس کر گئے تھے۔اُن کے اس رویے پر سینئر افسران بھی حیران تھے۔انھوں نے برانچ مینیجر کی کلاس لینے کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی اچھا خاصا ڈانٹ ڈپٹ دیا۔ مگر ایک بڑے افسر ہمارے مینیجر کے اس رویے پر آپے سے باہر ہو گئے۔وہ مینیجر کو سخت سست کہتے ہوئے بد تمیزی کی وضاحت طلب کرنے لگے۔

"کیا مطلب آپ کا...آپ ہمارے معزز ڈیلرز کو بار بار چوہڑا کیوں کہہ رہے ہیں؟"

اس پر مینیجر صاحب نے جو جواب دیا، وہ نا صرف سینئر افسران بلکہ خود ہمارے لیے بھی چونکا دینے والا تھا۔

"سر جی... ! یہ دونوں بھائی مرزائی ہیں۔مارکیٹ میں ان جیسا دو نمبر آدمی شاید ہی کوئی ہو، یہ اپنا مطلب نکالنے کے لیے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے ہیں جو انکار کر دے، اس سے بدلہ لینا شروع کر دیتے ہیں۔"

مینیجر نے کہا تو سب حیران رہ گئے۔ ویسے بھی ہمارا مینیجر ایک دنیا دار انسان تھا۔اسے ان دونوں بھائیوں کے قادیانی ہونے پر کوئی اعتراض نہ تھا، مگر ان کی دو نمبریوں اور جان بوجھ کر تنگ کرنے کی عادت کو وہ بڑے سنجیدہ انداز میں بیان کر رہا تھا۔

یہ سنتے ہی ہمارے ایک بزرگ اور باریش ڈائریکٹر سیٹھ منیر احمد ذرا آگے بڑھے۔انھوں نے اعلان کیا کہ ہم اس بات کی تحقیق کروائیں گے۔اگر وہ لوگ قادیانی ہوئے یا نہ بھی ہوئے، مگر ہمارے لوگوں کو دو نمبری کے لیے مجبور کرنے میں ملوث نکلے تو ان کیخلاف ضرور کارروائی

ہو گی۔البتہ اگر مینیجر کی بات غلط ہوئی تو اسے کمپنی سے فارغ کر دیا جائے گا۔اس اعلان پر سب ایک دم خاموش ہو گئے۔

فوری طور پر مینیجر کے لگائے گئے دونوں الزامات کی تحقیق شروع کر دی گئی۔ناجائز کاموں کے لیے گواہ کے طور پر مجھے اور تین چار مزید کو پیش کیا گیا۔ان پر یہ الزام سچ ثابت ہو رہا تھا۔البتہ قادیانیت والے الزام پر کوئی بھی سنجیدہ نہ تھا۔سب نے ایک ہی بات دہرائی کہ وہ جو بھی ہوں ۔ہمیں کیا لینا دینا بھلا؟

مگر یہاں بھی سیٹھ منیر احمد صاحب کی آواز گونجی۔انھوں نے کہا کہ مجھے اس کی رپورٹ بھی چاہیے ۔یعنی اگر قادیانیت کے حوالے سے مینیجر کی بات درست ثابت ہو گئی تو ہمیں محتاط رہنا ہو گا،اور اگر یہ محض الزام ہوا تو مینیجر کے خلاف کارروائی ہو گی۔

چناں چہ اس معاملے میں بھی تحقیق کے بعد ہمارے مینیجر صاحب درست نکلے۔بلکہ مجھے تو خود حیرت تھی کہ اگر مینیجر صاحب ان کے بارے میں جانتے تھے تو انھوں نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟وجہ صرف ایک ہی ہے کہ ہمارے عام مسلمانوں کے لیے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

اس انکشاف کے بعد سیٹھ منیر احمد صاحب نے احمد مبشر الیکٹرونکس کا تمام ریکارڈ نکلوالیا۔ایک سینئر افسر نے ہمیں سروس کا ریکارڈ فراہم کرنے کا کہا۔

ہم نے جلدی سے ڈھکن برادران کا گذشتہ چھ ماہ کا ریکارڈ لا کر دے دیا۔اس ریکارڈ کے مطابق ہمارے شعبے نے ان کا تمام کام بروقت سرانجام دیا تھا۔البتہ جب افسران نے ڈیلرز کی جانب سے ماہانہ رپورٹ والا ریکارڈ دیکھا تو احمد مبشر الیکٹرونکس کی جانب سے اس تمام عرصے میں سروس ناقص اور غیر تسلی بخش والا اعتراض ہر بار تواتر سے لکھا گیا تھا۔

یہ چیز دیکھ کر ڈائریکٹر منیر احمد صاحب کا پارہ ہائی ہو گیا۔انھوں نے فوراً احمد مبشر الیکٹرونکس والے مالکان یعنی ڈھکنوں کو طلب کر لیا۔اس دوران ایک ڈیلر نے ڈائریکٹر صاحب کے کان میں بتایا کہ یہ دونوں بھائی اپنے مذہب کی تدریس بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ سنتے ہی دونوں بھائی چلا اٹھے، یہ جھوٹ ہے۔یہ جھوٹ ہے۔ان کی ہمارے ساتھ کاروباری رقابت ہے اس لیے جھوٹا

الزام لگا رہے ہیں۔

ڈائریکٹر صاحب نے الزام لگانے والے ڈیلر شفیق رانا سے ثبوت طلب کیا تو اس نے فوراً موبائل نکال کر ایک ویڈیو ان کے سامنے پیش کر دی۔ ویڈیو ثبوت دیکھتے ہی جہاں باقی سب لوگوں کے کان کھڑے ہو گئے، وہیں ڈھکن برادران اپنا جھوٹ پکڑے جانے پر کھسیانے سے ہو رہے تھے۔

ڈیلر شفیق رانا نے بتایا کہ کاروباری رقابت کی اگر بات ہے تو آپ ان کی جگہ مزید یہاں دس ڈیلر بٹھا دیں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مگر مسلمان ہیں، نبی کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہم نے جو دیکھا، اس کو بطور ثبوت آپ تک پہنچا دیا، اور اگر اب بھی شک ہے تو ان کی دکان پر چلیں ۔اگر وہاں سے ان کے مذہب کی تبلیغ کا مواد یا کتابچے نہ ملیں تو جو سزا کہیں میں قبول کروں گا۔

اس پر دونوں بھائیوں کا رنگ فق ہو گیا، پھر وہ جلدی سے ناراضی والا موڈ بناتے ہوئے ایک طرف چل دیے۔ ڈائریکٹر صاحب باریش بزرگ تھے۔ خوفِ خدا اور عشق رسول ﷺ سے ان کا دل منور تھا۔ وہ سارا معاملہ کچھ حد تک سمجھ چکے تھے۔ انھوں نے دیگر مالگان کو اس بارے آگاہ کیا اور اپنا فیصلہ سنا دیا۔

فیصلہ کیا تھا، یہی کہ احمد مبشر الیکٹرونکس کے ساتھ اپنے معاملات کو از سر نو دیکھا جائے، ان کی جانچ پڑتال کی جائے۔ اور اگر یہ انکار کریں تو ان کے ہاں ہماری کمپنی کا جتنا مال پڑا ہے وہ سب کا سب واپس گودام میں منگوا لیا جائے۔

یہ واقعتا بہت بڑا فیصلہ تھا۔ کیوں کہ ڈیلرز کا نام، عزت اور شہرت اگر اچھی نہ ہو تو کوئی کمپنی اسے کروڑوں روپے کا اُدھار مال نہیں دیتی۔ چناں چہ یہ فیصلہ سنتے ہی دونوں بھائی شام کو بھاگتے ہوئے واپس پلٹے اور ہوٹل کے کمرے میں موجود سیٹھ منیر صاحب کے گھٹنوں کو ہاتھ لگانے لگے۔

”حضور! ایسی بھی کیا غلطی ہو گئی ہے، مال مت اٹھوائیں، دکان خالی ہو جائے گی، لوگ باتیں بنائیں گے۔ باقی جو سزا دینی ہے، وہ قبول ہے۔ ہم نیا مال بھی نقد اٹھائیں گے اور پرانے والے مال کے پیسے بھی جلد لگوا دیں گے۔“ چھوٹے ڈھکن نے منت سماجت کی۔

ڈائریکٹر صاحب جب معاملات کو از سر نو دیکھنے پر اڑے رہے تو بڑے بھائی نے دھمکی بھی لگا دی کہ اگر آپ نے اپنا مال اٹھا لیا تو ڈیلرز آپ پر آئندہ بھروسا کیا کریں گے۔آپ کی کمپنی بھی بد نام ہو گی۔

یہ سنتے ہی سیٹھ صاحب تپ گئے۔انھوں نے حکم نامہ جاری کیا کہ فوراً مال اٹھا کر گودام میں منتقل کیا جائے، چناں چہ شام تک ان کے حکم پر عمل ہو چکا تھا۔ یہ بات جنگل میں آگ کی طرح پوری مارکیٹ میں پھیل گئی۔ دیگر کمپنیاں بھی اس طرف متوجہ ہو گئیں، سب نے کان کھڑے کر لیے کہ احمد مبشر الیکٹرونکس اپنے معاملات میں شفاف نہیں ہے۔مزید یہ کہ جن لوگوں کے ان کے قادیانی ہونے کا علم نہیں تھا، انھیں بھی اب علم ہو چکا تھا۔

دونوں بھائی اپنی قادیانیت کو عوام سے چھپانا چاہتے تھے۔ مگر سب کچھ ان کی توقع کے خلاف ہوا۔اگلے دن عوامی حلقوں کی جانب سے شہر میں احمد مبشر الیکٹرونکس کے خلاف کچھ بینرز آویزاں ہو چکے تھے۔ یہ دیکھتے ہی دیگر کمپنیوں نے بھی جلدی جلدی وہاں سے اپنا مال اٹھانا شروع کر دیا ۔ تین چار روز میں یہ بہت بڑی دکان ایک ویرانے کا منظر پیش کر رہی تھی۔

عبرت کا سامان ہو چکا تھا۔دونوں بھائیوں نے اس معاملے میں اپنے چچازاد سے مدد طلب کی۔ جس کی لاہور میں الیکٹرانکس کی دکان تھی۔ مگر یہاں بھی معاملہ الٹا ہوا۔ان کے کزن کی دکان بھی عوام کی نظروں میں آگئی۔یوں پھر یہاں سے بھی کمپنیوں نے مجبوراًاپنا مال اٹھوالیا۔

غلام قادیانی کے وہ پیروکار جو دوسروں کو جاب سے نکلوانے کی دھمکیاں دے رہے تھے، آج خود اپنے ہی جال میں پھنس چکے تھے۔اللہ نے انھیں دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بنا دیا تھا۔ خالی دماغ تو وہ پہلے ہی تھے مگر اس ”حادثے“ کے بعد تو وہ اور بھی پگلا گئے تھے۔ چھوٹا ڈھکن تو کچھ زیادہ ہی بہکی بہکی باتیں کرنے لگا تھا۔جب کہ بڑا ڈھکن لمبی چپ کا روزہ رکھے ہوئے تھا۔

کچھ دنوں تک ان کی دکان عوامی غضب سے بچنے کے لیے بند رہی، ایک ماہ بعد انھوں نے دکان کی جگہ تبدیل کی، پھر نام تبدیل کیا، اور اس کے بعد کام بھی تبدیل کر کے اپنے پہلے والے کاروبار کی طرف لوٹ آئے، یعنی ”احمد مدثر کراکری سٹور“

ایک روز ہم اپنے مینیجر صاحب کے ہمراہ ان کی نئی دکان کے سامنے سے گزرے، چونکہ مینیجر صاحب شروع سے مزاحیہ طبیعت کے ہیں اور جھگڑے سے پہلے ان کے احمد مبشر الیکٹرونکس سے تعلقات بھی اچھے تھے۔ سو انھوں نے سب کچھ بدلا بدلا سا دیکھا تو بلند آواز کر کے دونوں بھائیوں کو مخاطب کیا:

”اے میرے پیارے ڈھکنوں! اب کیا بیچنے کا ارادہ ہے۔“

جواب میں دونوں نے شکوہ کناں نظروں نے مینیجر کو دیکھا جو دکان کے باہر کھڑا دانت نکال رہے تھے۔ ان میں سے بڑے بھائی نے جواب دیا:

اصغر صاحب! آپ نے اچھا نہیں کیا، ہم دوبارہ انھیں چینی کی تھالیاں سیل کرنے پر آگئے ہیں ۔“

اس پر مینیجر اصغر نے قہقہ لگایا اور کہا: ”بھئی تم لوگ ہو ہی تھالیوں کے لائق... کیوں کہ سمجھ بوجھ تم میں ہے نہیں... عقل تمھاری نری ڈھکن ہے۔ بلکہ تم خود ڈھکن ہو... تھالیوں والے ڈھکن... ہاہاہاہا۔“ اتنا کہہ کر مینیجر صاحب وہاں سے چلا آئے اور تھالی کے ڈھکن منہ کھولے انھیں جاتا دیکھتے رہے۔

☆....☆....☆